ڈاکٹر شبیر بہادر خان صاحب پنّی ۔ ایبٹ آباد

# مولانا ابو الکلام آزادؒ

۱۸۸۸ء ——— ۱۹۵۸ء

## اُن کی کتابِ زندگی کے چند اوراق

؎ حکایت ز قدِ آں یار دلنواز کنیم ۔۔۔ بایں فسانہ مگر عمر خود دراز کنیم

اس عبقریِ زمانہ نے لوگوں کی چہ میگوئیوں پر ایک دفعہ لکھا :۔

" میرے بارے میں کسی نہ کسی طرح دو رائیں بنتی چلی گئیں ۔ کچھ لوگ مجھ سے ارادت رکھتے ہیں یہ ان کے دل کی فیاضی ہے بعض لوگ مجھے دُشنام سے یاد کرتے ہیں یہ ان کے دل کی ناراضی ہے ۔

میں کیا ہوں اور کیا نہیں ۔ اس کا فیصلہ آج نہیں کل ہوگا ۔ میں نے اپنی زندگی ایک کُھلی کتاب کی طرح لوگوں کے سامنے رکھ دی ہے ۔ یہ اوراق اُنہیں اس امر کا فیصلہ کرنے میں مدد دیں گے کہ کتنا بُرا اور کتنا اچھا ہوں " ابو الکلام

فرانس کے مشہور مصنّف وکٹر ہیوگو ۔ نے والٹیر کی صد سالہ یادگار مناتے ہوئے کہا تھا :۔

" زندگی کتنی ہی شاندار اور عظیم ہو، لیکن تاریخ اپنے فیصلہ کے لئے ہمیشہ موت کا انتظار کرتی ہے "

مولانا آزاد کی موت کو اب ۲۷ برس ہو گئے ہیں ۔ آؤ دیکھیں تاریخ کا فیصلہ کیا ہے ؟

<u>ان کی زندگی کے اوراق</u> | ۱۔ آپ نے مشہور پیر گھرانے میں آنکھ کھولی عقیدت، دولت اور عزت ان کے گھر کی باندی تھی ۔ لوگ ہاتھ چومتے اور ملاقات کے بعد اُلٹے پاؤں ( پُشت کئے بغیر ) واپس ہوتے ۔

یہ معلوم ہے کہ مشائخ کی گدی، شاہی تخت سے کہیں بالاتر ہے ۔ وہاں حکومت دلوں پہ ہوتی ہے اور یہاں جسموں پر ۔ فرق ظاہر ہے دلوں پہ حکومت دائمی اور جسموں پر عارضی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ بادشاہِ وقت، اپنے ملک کے مشائخ کے اثر و رسوخ کو ہمیشہ شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے رہے ۔ اور ان سے ترساں اور لرزاں رہے ۔

لیکن مولانا آزادؒ نے یہ گدی، رضا و رغبت سے چھوڑ دی جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی ۔ معتقدان و مریدان کے اصرار کے جواب میں فرمایا :۔

" وہ میرے والد کا طریق تھا ۔ میں اس راہ کا آدمی نہیں "

۲۔ آپ نے "الہلال" جاری کرکے صحافتی دنیا میں انقلاب پیدا کرکے، اس کو ایک طاقت بنا دیا۔ علامہ عنایت اللہ المشرقی نے کہا:۔

" جو اخبار بڑی طاقت بن کر غائب ہو گئے۔ مثلاً سرسید کا "تہذیب اخلاق"، غلام محمد مرحوم کا "وکیل" یا محترم ابوالکلام آزاد کا "الہلال"۔

پروفیسر رشید احمد صدیقی (علی گڑھ) لکھتے ہیں: "مولانا آزاد کی تحریر صحافتی نہیں تصنیفی ہوتی ہے۔ نظر حکیمانہ، انداز خطیبانہ اور رنگ ملہمانہ ......"

۳۔ داعیٔ قرآن و تبلیغ جہاد کا فریضہ اس جرأت و بیباکی سے کیا کہ دنیا کی سب سے بڑی حکومت وقت کو لرزا دیا۔ اور اس کا رعب دلوں سے اٹھا دیا۔ اور ۳۰ سال بعد حکومت کو جسموں سے بھی اٹھا دیا۔

۴۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کا اعتراف :۔ "اس نوجوان نے ہمیں اپنا بھولا ہوا سبق یاد دلا دیا" اور اپنی زندگی کے چراغ گل ہونے سے پہلے فرمایا :۔ "ابوالکلام کے ہاتھ پر بیعت امامت کی جائے"۔

۵۔ مقام خودی | تقسیم برصغیر پاک وہند کے فیصلے کے مطابق، ہندوستان میں جشن آزادی ۱۵ اگست منانے کا دن تھا۔ اس سے تین چار دن پہلے چودھری خلیق الزمان اور نواب اسمٰعیل خان میرٹھی (مسلم لیگ کے چوٹی کے رہنما) مولانا آزاد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور پیش آمدہ حالات کی تلخیوں کا ذکر کرتے ہوئے تجویز پیش کی۔ کہ ۱۴ اگست کو دہلی میں مسلمانوں کا ایک اجتماع عظیم کر کے سردار پٹیل اور پنڈت نہرو کو سپاس نامہ پیش کرنا چاہئے۔

مولانا آزاد نے فرمایا :۔ "میرے بھائی! خوشامد کا یہ کاغذی نوشتہ، پیش آمدہ مسائل کا حل نہیں ہے۔ ہم اپنی قوم کی خودی کو داغدار کئے بغیر اپنی مشکلات پر قابو پا سکتے ہیں"۔

۶ جب تقسیم ملک کے بعد مسلمان ہندوستان سے خوف و ہراس کے عالم میں بھاگنے لگے تو ان کو ..... دہلی کی شاہجہان کی مسجد میں بلا کر تقریباً ۳۵ ہزار کے مجمع سے خطاب فرمایا۔

یہ دیکھو! مسجد کے مینار تم سے جھک کر سوال کرتے ہیں کہ تم نے اپنی تاریخ کے صفحات کو کہاں گم کر دیا ہے؟ ابھی کل کی بات ہے کہ یہیں جمنا کے کنارے تمہارے قافلوں نے وضو کیا تھا۔ اور آج تم ہو کہ تمہیں یہاں رہتے ہوئے خوف محسوس ہوتا ہے۔ حالاں کہ دہلی تمہارے خون سے سینچی ہوئی ہے۔

عزیزو! تبدیلیوں کے ساتھ چلو۔ یہ نہ کہو کہ ہم اس تغیر کے لئے تیار نہ تھے۔ بلکہ تیار ہو جاؤ۔ ستارے ٹوٹ گئے لیکن سورج تو چمک رہا ہے۔ اس کی کرنیں مانگ لو اور ان اندھیری راہوں میں بچھا دو۔ جہاں اجالے کی سخت ضرورت ہے۔

باد صرصر اٹھی، تو مسلمانوں نے اس کا رخ پھیر دیا۔ آندھیاں آئیں تو ان سے کہا، تمہارا راستہ یہ نہیں ہے۔ یہ

ایمان کی جان کنی ہے۔ کہ شہنشاہوں کے گیہبانوں کے تار پیچ رہے ہو۔ اور خدا سے اس درجہ غافل ہوگئے جیسے اس پر کبھی ایمان ہی نہ تھا۔

عزیزو! میرے پاس تمہارے لئے کوئی نیا نسخہ نہیں۔ چودہ سو برس پہلے کا پرانا نسخہ ہے وہ نسخہ جس کو کائنات انسانی کا سب سے بڑا محسن لایا تھا ..... اور اس نسخہ قرآن کا یہ اعلان "لاتہنو ولاتحزنوا وانتم اعلون ان کنتم مومنین"۔ آج کی صحبت ختم ہوگئی مجھے جو کچھ کہنا تھا وہ اختصار کے ساتھ کہہ چکا۔ پھر کہتا ہوں، بار بار کہتا ہوں۔ اپنے حواس پر قابو رکھو۔ اپنے گرد و پیش اپنی زندگی خود فراہم کرو۔ یہ منڈی کی چیز نہیں کہ تمہیں خرید کر لادوں۔ یہ تو دل کی دکان ہی سے اعمال صالحہ کی نقدی پر دست یاب ہوسکتی ہے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ [۵]

زباں ز نطق فرو ماند و رازِ من باقی است
بضاعت سخن آخر شد و سخن باقی است

۷۔ خان عبدالغفار خان (باچا خان) اپنی "آپ بیتی" جو انہوں نے خود لکھوائی، میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں:-

"جب کانگرس نے تقسیم ملک پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے انہوں نے تمام پٹھانوں کو موت کی سزا سنا دی۔ میں بے حد پریشان تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد میرے قریب بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ اب آپ کو مسلم لیگ میں شامل ہو جانا چاہیئے۔"

اگر باچا خان اُس وقت مولانا آزاد کا یہ مشورہ قبول کر لیتے تو یقیناً اُن کی پارٹی، قوم اور ملک کے لئے بہتر ہوتا۔ لیکن انہوں نے نہ مانا اور انجام سامنے ہے۔

۸۔ رام گڑھ کانگرس اور مولانا آزاد کا خطبہ صدارت

فرمایا: "میں مسلمان ہوں اور فخر سے اعلان کرتا ہوں کہ اسلام کی تیرہ سو سالہ روایتیں میرے حصہ میں آئی ہیں۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ ضائع کر دوں۔ اسلام کی تاریخ، اسلام کی تعلیم، اسلام کی دولت، اسلام کے جملہ اصول، اسلام کی تہذیب، میری دولت ہے۔ اور یہ میرا فرض ہے کہ میں اس کی حفاظت کروں۔ مذہبی اور ثقافتی دائرے میں اپنی ایک خاص ہستی رکھتا ہوں۔ میں برداشت نہیں کر سکتا کہ اس میں کوئی کسی قسم کی مداخلت کرے۔"

۹۔ مولانا آزاد کی دعوت خاص طور پر دو امور کی جانب تھی۔ ۱۔ دعوت قرآن ۲۔ دعوت جہاد۔ اور اس پر وہ آخر دم تک قائم رہے۔

مولانا آزاد کے سخت ترین ناقد اپنے اخبار "صدق جدید" مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۶۸ء میں ان کی ایک تقریر ۱۹۴۷ء کے حوالے سے لکھتے ہیں:-

"عزیزو! میرے پاس تمہارے لئے کوئی نیا نسخہ نہیں ہے۔ ۱۴ سو برس پرانا نسخہ ہے جس کو کائنات انسانی

کا سب سے بڑا محسن لایا تھا۔ اور وہ نسخہ قرآن ہے جس کا اعلان ہے:۔ لَا تَہِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ
نہ دو نہیں اور نہ غمزدہ بنو۔ تمہیں غالب آؤ گے اور تم مومن رہے۔

اس تقریر پر مولانا عبدالماجد دریابادی، حاشیہ چڑھاتے ہیں۔

خوب خیال کر لیجئے یہ تقریر ان مولانا ابوالکلام آزاد کی ہے جو ۱۹۴۷ء میں مرکزی وزیر رہ چکے ہیں یا وزیر بننے جا رہے تھے۔ اور ہند کو سوراج حاصل ہو چکا تھا۔ " آج کوئی کاش اتنا کہنے والا بھی ہوتا ہ مولانا کو نہ یہ خوف ہوا کہ کوئی ان کو سیکولرزم کا طعن کرے گا۔ نہ اس کا اندیشہ پیدا ہوا کہ کوئی ان کی فرقہ پرستی کا چرچا شروع کر دے گا۔

۱۰۔ جب ہندوؤں پر مولانا آزادؒ کی مسلم نوازی پر، چند حلقوں پر دبی زبان سے چہ میگوئیاں ہونے لگیں تو آپ نے بھارتی ایوان (پارلیمنٹ) کے اجلاس ۱۹۵۴ء میں تقریر کی۔ " میں لیپا پوتی کی باتیں نہیں کر رہا۔ اس قسم کی باتیں وہ کرتا ہے جس میں غرض کا مادہ پایا جاتا ہے۔ میرے اندر کوئی غرض نہیں۔ میں اس تصور سے ہی نا آشنا ہوں۔ اب سے ۴۶ برس پہلے جب میری عمر ۱۸ یا ۱۹ برس تھی۔ میں نے اپنی زندگی کا ایک نقشہ بنایا تھا اُس وقت سے آج تک میری زندگی ایک کھلی کتاب ہے۔ اور آپ جانتے ہیں اس کتاب کا کوئی صفحہ نہ تو حوادث و وقائع کی دست درازیوں سے چاک ہوا نہ میں نے کبھی زمانے کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کی کوشش کی۔ اور نہ ہی کبھی حالات کے بہاؤ میں بہنے کے لئے اپنے آپ کو موجوں کے سپرد کیا ہے۔ زندگی کا ایک بڑا حصہ ختم ہو چکا ہے۔ اور جو باقی ہے وہ تھوڑا اور قریب الختم ہے۔ (آپ کی وفات ۱۹۵۸ء میں ہوئی)

۱۱۔ جب پاکستان بن گیا تو مشرقی و مغربی پاکستان کے ہر مسلمان کو تلقین کی
" اب جب کہ پاکستان قائم ہو چکا ہے اس کی حفاظت اور استقلال کی ذمہ داری تم پر عائد ہوتی ہے۔ جو اس خطے میں بستے ہیں" اور پھر ہندوستان کے قابل و اہل مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ پاکستان جا کر اس کو مضبوط بنانے کی کوشش کریں۔ اور اکثر فرماتے۔ " پاکستان بن چکا۔ اب اس کی حفاظت ہر مسلمان پر فرض ہے"
جب مشرق وسطیٰ کے دورے پر گئے تو واپسی پر کراچی آئے قائداعظم کے مزار پر پھول چڑھائے اور فاتحہ خوانی کی۔

۱۲۔ مولانا مہر اپنے ایک خط بنام سید انیس شاہ جیلانی ساکن محمد آباد تحصیل صادق آباد (بہاولپور) لکھتے ہیں۔
" بھائی! مولانا کی وفات دورِ حاضر کا بہت بڑا حادثہ ہے .... مولانا کا علم و فضل ان کی نظر بصیرت ان کے تصورات و افکار دین و اخلاق اور سیاست و علم کی بنیادی اقدار کے باب میں ان کے اندازے اور ان کے معیار اب ہم کہاں پائیں گے۔ وہ گئے تو ذہنی روشنی کی پوری کائنات اپنے ساتھ لے گئے۔ ایسی روشنی کا مینار

کھڑا ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ کے اپنے فضل خاص کے بعد کئی عمریں اور کئی سیر ہونے چاہئیں۔ اس لئے کہ ایسی شخصیتیں ہر عہد اور ہر عصر کو نصیب نہیں ہوتیں...... مولانا کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے جو مقام بلند فرمایا تھا اس کی کوئی نظیر متعدد گزشتہ صدیوں میں نظر نہیں آتی۔ پھر ان کی جامعیت، ہر دائرے میں مرتبہ بلند پر فائز، ان سب مفاہیم الٰہی کے بعد اپنے معتقدات کے لئے عمل کی اہمیت، ان پر کاربندی کی مردانگی اور راہ حق و صداقت میں ہر قسم کی تکلیفیں جھیل لینے کی لامتناہی استطاعت میں، میں نے کوئی شخص نہیں دیکھا۔ جس نے تیس برس کی عمر میں دنیا بھر کی آنکھیں فرطِ عقیدت سے اپنے لئے فرش راہ دیکھی ہوں۔ پھر جب معتقدات کے لئے مجاہدے کا وقت آیا تو ہر دلعزیزی کی ہر متاع بے دریغ قربان کر دی ہو۔ یہاں تک کہ وہ اس اقلیم کا معتوب ترین آدمی رہ گیا ہو۔ بایں ہمہ معتقدات کی مشعل ہاتھوں میں لئے کھڑا ہو...."

۱۳۔ عہد حاضر کے ایک عالم و محقق کی رائے تحریر کرتا ہوں۔

"اسلامی قرآنی حکومت کے قیام کی جدوجہد جاری ہے۔ پوری قوم اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہی ہے اور کبھی کسی کو روشنی کی کوئی کرن نظر آجاتی ہے تو وہ فکرِ آزادؒ ہی کی پھیلائی ہوئی روشنی اور ہدایت ہوتی ہے پاکستان (جو اس اقلیم کی معتوب ترین آدمی بن کر رہ گیا تھا) میں اس پر پی۔ ایچ۔ ڈی، کر لی گئی ہے۔ اس اعلیٰ ترین اعزاز و سند کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ کئی ایم، اے کے لئے مقالے لکھے گئے۔ دسیوں کتابیں حضرت کے افکار و سیرت پر مرتب اور شائع ہو چکی ہیں"

گویا مولانا آزادؒ کے قول کے مطابق، ان کی کتاب زندگی کی اوراق کی روشنی میں فیصلہ سنا دیا گیا ہے کہ وہ کتنے بُرے اور کتنے اچھے تھے۔

مضمون اختتام کو پہنچا۔ گو ابھی اوراق کا ذکر ہی کیا جا سکتا۔ مگر ؎

زباں ز نطق فرو ماند و رازِ من باقی است
بضاعت سخن آخر شد و سخن باقی است

یہ چند سطور اہل علم و صاحب دل اصحاب کی یاد دلاتی اور معتقدانِ آزادؒ کو سلام کرنے کے لئے تحریر کر دی گئیں ؎

بآں گروہ کہ از ساغر وفا مستند
سلام ما برسانید ہر کجا ہستند